

جو ٹاہلیاں اُچیاں لُسیاں تھیں اُن کے
سارے زرد ہو گئے اور نا آشنا ہواؤں کے زور
کہ اُن پر ایک پتہ بھی باقی نہ رہا اور کراچی کا
پتہ کئی پتنگوں کی طرح ڈولتے گرتے... پڑ کے
آ رہے تھے.. اُس کے بدن پر اور سپورٹس
سفید اور آل پر اور خون جو جذب نہیں ہو
گرتے رہے اور اُسے... ڈھک دیا ایسے کہ دو
دکھائی دیتا تھا جس کی ٹہنیاں نہیں تھیں صر
سفید شگوفہ نہ تھا... اور یہ ہم ہیں... عشقے دارِ اک

بیرک نمبر تین کے برآمدے میں اُدھ
دیکھ دیکھ کر تھکتی تھیں۔

عارفین بھی تیز ہوا میں چرچراتے ہو۔
تھی جدھر دُھول اُٹھتی تھی... اور اُس دُھول کے

بیرک نمبر دو کے کواڑ اتنی آہستگی سے
ان کواڑوں کے اندر بیرک نمبر دو کے
نقش ارغون۔ ترکھان سما اور کلموڑہ خاندان
گھوڑے سیال ہوئے، حرکت میں آئے... وہ
والے کواڑوں سے باہر نکلے، اُوپر گزرنے والے
اور بے پرواہ اب کواڑوں سے باہر نکلے اور نہ
برآمدے میں بیٹھی شوبھا کے عقب میں ایتادہ
نقش سالخورده تھے اور اُن کی ڈھالیں اور تلو
اگرچہ اُن کی کوئی آہٹ نہ تھی صرف موجودگی
ایک منظر کیفیت میں تھے... اُن کے ہمراہ وہ تمر
بن کے جنگلوں کی طرح متحرک اور زندہ تھے۔
کے نقش ایک قطار میں کھڑے اُدھر دیکھتے تھے

پتے دھندلاتی آنکھوں کے سامنے سارے کے
 سے ٹہنیوں سے جُدا ہو کر گرنے لگے... یوں
 بے رنگ آسمان پھر سے دکھائی دینے لگا اور وہ
 لٹے راہ کے سیاہ پرندوں کی طرح بے اختیار نیچے
 مائل پر اور اُس کے کیرئیر پر ابھی تک بندھے
 رہا تھا اس پر وہ جھولتے ہوئے، ڈولتے ہوئے
 رے وہ زمین پر گرا ہوا ایک شیشم کا درخت
 ف ڈھیر پتوں کا تھا... اُن میں کہیں بھی ایک
 پلنگ نواڑی وے اُساں چانیاں وِچ ڈاہیا...

جہاں سے دُھول اُٹھتی تھی شوبھا کی آنکھیں

ئے ایک کواڑ کے عقب میں سے اُدھر دیکھتی
 کے اندر ایک سفید ایسولنس چلی آتی تھی۔

کھلے کہ وہ دونوں اُدھر متوجہ نہ ہوئیں۔
 کے اندر ڈھلتی زرد دھوپ ایسے پتھروں پر جلد
 کی قبروں کے تعویذوں پر کندہ سپاہی اور
 اپنی پتھر قید میں سے نکلے اور آہستگی سے کھلنے
 لے ایک جیٹ کی پُر خراش آواز سے لا تعلق
 قدموں کی چاپ تھی اور نہ سموں کی آواز وہ
 ہو گئے، گھوڑے سیاہ تھے، سپاہیوں کے نمین
 اریں زنگ آلود تھیں۔ شوبھا نے پلٹ کر
 کا احساس تھا، اُس نے پلٹ کر دیکھا تو وہ بھی
 نام نیل بونے جو ابھی پتھر تھے اور ابھی سندر
 .. سپاہی، اُن کی ڈھالیں اور تلواریں اور مکی
 جدھر دُھول اُٹھتی تھی...